درسِ قرآن

سورۂ محمد صلی اللہ علیہ وسلم (٦)

از:- ڈاکٹر اسرار احمد

(گذشتہ سے پیوستہ)

ترتیب وتسوید : جمیل الرحمٰن / عاکف سعید

اب آپ اس پورے پس منظر کو سامنے رکھ کر غور کیجئے! میرے نزدیک اس مشاورت کے بعد اس آیۂ مبارکہ میں، جو ہمارے زیر مطالعہ ہے مسلمانوں سے فرمایا جا رہا ہے کہ اے مسلمانو! اب جبکہ تم جنگ کے لئے بدر کی طرف جا رہے ہو تو ہماری ہدایت سن لو: فَاِذَا لَقِیۡتُمُ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا۔ "پس اب جبکہ تمہاری کافروں سے ملاقات ہو ہی جائے۔ مڈبھیڑ کی نوبت آ ہی جائے"؛ یعنی ابھی تک تو اس کے آثار تھے۔ ابھی تو جنگ دور دور نظر آ رہی تھی لیکن اب وہ مرحلہ آیا ہی چاہتا ہے، اب وہ گھڑی سر پر آن پہنچی ہے۔ تو اب تمہارا کام یہ ہوگا کہ فَضَرۡبَ الرِّقَابِ۔ "تو خوب مارنا ہے، ان کی گردنوں کو" ۔ اب ان الفاظ اور اس اسلوب کے پیچھے ہمیں ایک خاص کیفیت نظر آ رہی ہے۔ یہ کیفیت تب خوب سمجھ میں آتی ہے جب انسان میں زبان و ادب اور سخن فہمی کا ایک خاص ذوق (LITERARY SENSE) موجود ہوتا ہے یعنی وہ بات منطقی انداز کی نہیں ہوتی بلکہ اس کا تعلق ذوق اور وجدان سے ہوتا ہے۔ یہاں فرمایا گیا ہے: فَضَرۡبَ الرِّقَابِ ۔ اس اسلوب میں یہ کیفیت مضمر ہے کہ جو لوگ تمہارے مقابلہ میں آ رہے ہیں، اُن میں کوئی دم خم نہیں ہے۔ وہ لشکر کی صورت میں نظر تو آئیں گے لیکن ان کی کوئی معنوی حقیقت یہ ہوگی جیسے کسی کے ہاتھ پیر باندھ کر اسے تمہارے سامنے ڈال دیا جائے کہ ان کی گردنوں کو مارو جس طرح چاہو۔ یہ تمہارے رحم وکرم پر ہیں۔

سورۃ الانفال کی آیت سے استشہاد: اب " فَضَرۡبَ الرِّقَابِ " والی بات کو سورۃ الانفال کی آیت ١٢ سے سمجھئے۔ جیسا کہ میں ابتدا ہی میں عرض کر چکا ہوں کہ سورہ محمدؐ اور سورۃ الانفال میں

© rasailojaraid.co

گہری مناسبت ہے۔ پہلی سورہ غزوۂ بدر سے پہلے اور دوسری سورہ اس کے بعد نازل ہوئی ہے۔ لہٰذا اس میں اس غزوہ کے حالات پر تبصرہ ہے۔ وہاں فرمایا: اِذْ يُوْحِيْ رَبُّكَ اِلَى الْمَلٰٓئِكَةِ اَنِّيْ مَعَكُمْ۔" (اے نبیؐ) یاد کیجئے وہ وقت جب آپ کا رب وحی کر رہا تھا فرشتوں کو کہ دیکھو میں تمہارے ساتھ ہوں"۔ فَثَبِّتُوا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ط " تو تم (جاؤ اور) اہل ایمان میں ثبات و تثبیت پیدا کرو"۔ ان کو ثابت قدم رکھو۔ ان کے دل میں کوئی خوف اور کوئی حزن نہ ہو۔ ان کو اپنی زندگی کی پرواہ نہ ہو، ان کے دلوں میں اہل وعیال کے متعلق فکر پیدا نہ ہو ــــ آگے فرمایا: سَاُلْقِيْ فِيْ قُلُوْبِ الَّذِيْنَ كَفَرُوا الرُّعْبَ ـــــ یہ ہے وہ بات جو فَضَرْبَ الرِّقَابِ سے متعلق ہے۔ "میں فی الفور ان کافروں کے دلوں میں رعب ڈالے دیتا ہوں" ــــ یہ کافر جلد ہی مرعوب ہو جائیں گے۔ مرعوب آدمی میں ہمت نہیں ہوتی۔ چاہے وہ ذہناً مرعوب ہوا ہو، چاہے قوت وطاقت اور ایثار وقربانی کے جذبوں کو دیکھ کر مرعوب ہو گیا ہو ـــــ چنانچہ غزوہ بدر میں عملاً یہ صورت حال پیش آئی کہ کفار کا ایک ہزار کا کیل کانٹے سے لیس، تین سو تیرہ قریباً نہتے اہل ایمان کے لشکر سے مرعوب ومبہوت ہو کر رہ گیا۔ تو اللہ تعالیٰ نے نصرت اس طور پر فرمائی کہ اُن کافروں کے دلوں میں رعب ڈال دیا۔ ہیبت طاری فرمادی۔ نتیجہ یہ نکلا کہ اُن میں حوصلہ نہ رہا۔ اُن کے ہاتھ نہ اٹھ سکے۔ اگر اُٹھ بھی گئے تو اُن کا وار کاری نہیں ہوا۔ وہ جو کسی شاعر نے کہا ہے ؎

نہ خنجر اٹھے گا نہ تلوار اُن سے ۔۔۔ یہ بازو مرے آزمائے ہوئے ہیں

سورۃ الانفال کی اس آیت میں آگے فرمایا: فَاضْرِبُوْا فَوْقَ الْاَعْنَاقِ وَاضْرِبُوْا مِنْهُمْ كُلَّ بَنَانٍ ۝ یہاں سے خطاب کا رُخ مسلمانوں کی طرف مڑتا ہے۔ اس آیت کے آغاز میں صیغہ واحد کا ہے: اِذْ يُوْحِيْ رَبُّكَ۔ حضورؐ سے واحد کی ضمیر میں خطاب ہے۔ چنانچہ یہ بات بیان کرنے کے بعد کہ "اے نبیؐ! وہ وقت یاد کرو جب تمہارا رب فرشتوں کو وحی کر رہا تھا کہ میں تمہارے ساتھ ہوں۔ تم اہل ایمان کو ثابت قدم رکھو، اُن کے دلوں کو جما دو۔ میں بھی فی الفور ان کافروں کے دلوں میں رعب ڈالے دیتا ہوں" ــــ اب مسلمانوں سے خطاب ہے کہ: فَاضْرِبُوْا فَوْقَ الْاَعْنَاقِ وَاضْرِبُوْا مِنْهُمْ كُلَّ بَنَانٍ ۝ یہ گویا

پیش آنے والی صورتِ حال کی تعبیر ہے کہ صورت یہ ہو جائے گی کہ " اے مسلمانو! پس اب تم اُن کی گردنوں کو مارو اور اُن کے ایک ایک جوڑ، ایک ایک پور پر چوٹ لگاؤ "۔ یہ جو نقشہ سورۃ الانفال کی اس آیت میں ہے، وہی سورۃ محمدؐ کے ان الفاظ میں آیا ہے : فَضَرْبَ الرِّقَابِ ۔ اب گردنوں کا مارنا ہے خوب مارنا۔

رُعب و ہیبت کی عقلی توجیہہ : یوں تو ہمارے لئے اس بات کی تصدیق کے لئے اللہ تعالےٰ کا فرمان کافی ہے کہ غزوہ بدر میں اس نے ایک طرف فرشتوں کے ذریعے اہلِ ایمان میں ثبات پیدا فرمایا اور دوسری طرف کافروں کے دلوں میں رعب ڈال دیا۔ لیکن اس بات کو عقلاً بھی سمجھ لیجئے کہ یہ ہوا کیوں! ___ ضروری نہیں ہے کہ ہم اس کا صحیح صحیح ادراک اور احاطہ کر سکیں۔ لیکن غور کرنے سے اس کی یہ عقلی توجیہہ سمجھ میں آتی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو دعوت دیتے ہوئے جو پندرہ برس بیت گئے تھے،

جن میں سے قریباً ساڑھے بارہ برس آپ مکہ میں رہے تو حق کا حق ہونا اور باطل کا باطل ہونا واضح ہو چکا تھا لیکن قریش جو باطل پر اڑے ہوئے تھے جنہیں قرآن مجید میں ایک مقام پر اَئِمَّۃَ الْکُفْرِ کہا گیا ہے وہ دل سے قائل ہو چکے تھے کہ حق محمد کے ساتھ ہے۔ صلی اللہ علیہ وسلم۔ وہ جانتے تھے کہ ہماری کوئی اخلاقی حیثیت نہیں ہے۔ ہم دلیل کے میدان میں شکست کھا چکے ہیں، اخلاق کے میدان میں شکست کھا چکے ہیں۔ شکست خوردہ ذہنیتیں جو ہوتی ہیں، اُن کے اندر کوئی دَم خم نہیں ہوتا۔ ایک آدمی وہ ہوتا ہے، جو اس یقین سے لڑتا ہے کہ میں حق پر ہوں اور ایک وہ شخص ہے جو اندر سے کھوکھلا ہے اور وہ جانتا ہے کہ میں باطل پر ہوں۔ وہ کسی ضد کی وجہ سے، کسی ہٹ دھرمی کی وجہ سے مقابلہ تو کرتا ہے لیکن اس میں جان نہیں ہوتی۔ اس کا وار کاری نہیں ہوتا ___ اسی کی مثال بعد میں سامنے آئی تھی کہ حضرت ابو بکر کے بیٹے عبدالرحمٰن جو اس وقت تک ایمان نہیں لائے تھے، اور بدر میں کفار کے لشکر کے ساتھ تھے ایمان لانے کے بعد انہوں نے حضرت ابو بکرؓ سے کہا کہ " ابا جان! بدر میں ایک موقع پر آپ میری زد میں آگئے تھے۔ لیکن میں نے آپ کا لحاظ کیا اور آپ کو چھوڑ دیا "۔ ابو بکرؓ پلٹ کر جواب کیا دیتے ہیں! " بیٹے! تم باطل کے لئے لڑ رہے

© rasailojaraid.com

تھے اس لیے خونی رشتہ تمہیں زیادہ قوی نظر آیا۔ خدا کی قسم، اگر تم کہیں میری زد میں آجاتے تو میں تمہیں کبھی نہ چھوڑتا۔" یہ زمین و آسمان کا فرق ہے۔ یہ ہے کیفیت کہ اخلاقی طور پر ان لوگوں پر رعب طاری ہے، شکست خوردہ ہیں، وہ جانتے ہیں کہ حق محمد کے ساتھ ہے۔ صلی اللہ علیہ وسلم۔ کہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! سیرت و کردار کا ایک خورشید جو نصف النہار پر چمک رہا ہے۔ جنؐ کی چالیس سال کی زندگی ان لوگوں کے سامنے ہے جس کے متعلق خود انہوں نے گواہی دی تھی کہ کبھی کوئی جھوٹ، کبھی کوئی بددیانتی، کوئی خیانت، کوئی دھوکہ ان سے ظہور میں نہیں آیا جنؐ کو انہوں نے الصادق اور الامین کے خطاب دیئے تھے۔ لہٰذا ان کے دل کے اندر سے ملامت کرتے تھے کہ کس سے لڑ رہے ہو! ہوش کے ناخن لو۔ یہ ہے اصل میں وہ بات جو عقلی طور پر سمجھ میں آتی ہے کہ مشرکین مکہ کو وہ دلی یقین (CONVICTION) حاصل نہیں تھا۔ جو کسی ایسے شخص کو حاصل ہوتا ہے جو جانتا ہے کہ میں حق کے لئے لڑ رہا ہوں اور میری یہ قربانی رائیگاں نہیں جائے گی۔ بلکہ اللہ تعالیٰ کے یہاں میرے اعزاز و اکرام کا باعث ہو گی۔ اس تمام صورتحال کو ہم اللہ تعالیٰ کا تصرف کہیں گے کہ اس نے باطنی طور پر کافروں کے دل میں رعب ڈال دیا اور فرشتوں کے ذریعہ سے اہل ایمان کے دل اور قدم جما دیئے۔ یہ دونوں چیزیں بالکل حق ہیں۔ یہاں تو یہ حال تھا کہ حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے باپ عتبہ ابن ربیعہ کے مقابلہ میں نکلنا چاہتے تھے، جب اس نے بدر میں مبازرت طلب کی تھی لیکن رحمۃ للعٰلمینؐ نے انہیںؓ اجازت نہیں دی۔ عبدالرحمٰن ابن ابوبکرؓ اور حذیفہ ابن عتبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے طرزِ عمل سے حق و باطل کا فرق و تفاوت واضح ہو جاتا ہے۔

دو قابلِ توجہ الفاظ : آگے فرمایا : حَتّٰٓى اِذَآ اَثْخَنْتُمُوْهُمْ فَشُدُّوا الْوَثَاقَ " یہاں تک کہ جب تم ان کو اچھی طرح کچل دو، ان کی طاقت کو چور چور کر دو۔ خوب خون ریزی کر چکو، تب قیدیوں کو خوب مضبوطی سے باندھو "۔۔۔۔ یہاں اسلوبِ بیان میں یہ دو امور نہایت توجہ کے محتاج ہیں۔ اثخان اور اس کے بعد شدّ وثاق۔ یعنی پہلے کافروں کی خوب گردنیں مارنی ہیں، ان کو خوب کچل دینا ہے۔ ان عسکری قوت کو بالکل پاش پاش کر کے رکھ دینا ہے پھر سختی سے باندھنا ہے۔ ان الفاظ میں غزوۂ بدر کے لئے رہنمائی موجود تھی، لیکن بات غالباً پوری طرح واضح

نہیں تھی ۔ چنانچہ سورۃ الانفال میں مسلمانوں پر جو گرفت ہوئی وہ یہ تھی کہ جب تک تم نے کفار کو اچھی طرح کچل نہیں دیا تھا، ان کے آدمی پکڑے کیوں! ___ عرب میں یہ رواج تھا کہ جنگ میں فتح کی صورت میں جو قیدی ہاتھ آئیں گے، وہ غلام ہو جائیں گے، عورتیں لونڈیاں ہو جائیں گی۔ ان کا مال، مال غنیمت قرار پائے گا۔ لیکن اگر ان سب کو کچل دیا جائے اور قتل کر دیا جائے تو غلام ہاتھ سے نکل گئے۔ قیدی تو ہاتھ نہ آئے۔ وہ کوئی اثاثہ تو نہ بن سکے۔ لہٰذا بدر میں جیسے ہی بھگدڑ مچی اور قریش کے لشکر نے پیٹھ دکھائی اور بھاگنا شروع کیا تو مسلمانوں نے فوراً گردنیں مارنا ختم کیا اور ساری توجہ اس طرف مبذول ہو گئی کہ ان کو پکڑو اور جکڑو تاکہ یہ ہمارے قیدی بنیں اور اس طرح ہمارے غلام بنیں گے۔ اور ہمارے لئے یہ منفعت کا ذریعہ بنیں گے۔ یہ ہے وہ چیز جس پر گرفت آئی ہے۔ اب سورۃ الانفال کی متعلقہ آیات پڑھ لیجیے ___ سورۂ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ آیت سمجھ میں نہیں آئے گی جب تک سورۃ الانفال کی دو آیات نہ سمجھ لیں۔
ان میں سے ایک آیت تو میں آپ کو سنا چکا: اِذْ يُوْحِیْ رَبُّكَ اِلَى الْمَلٰٓئِكَةِ اَنِّیْ مَعَكُمْ فَثَبِّتُوا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا ___ اِلَى الْآخِر ۔ اب دوسری آیت سمجھئے۔ یہ سورۃ الانفال کی آیت ۶۷ ہے۔ یہ وہ آیت ہے کہ جس پر بڑی بحثیں ہیں۔ اس آیت کے متعلق روایات میں یہاں تک آتا ہے کہ جب یہ آیت اتری تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ سمجھا کہ یہ مجھ پر عتاب ہوا ہے اور حضورؐ بہت دیر تک روتے رہے اور آپؐ کے ساتھ حضرت ابوبکرؓ بھی ___ اس پس منظر کو ذہن میں رکھیے اور آیت کو سمجھیے۔ فرمایا: مَا كَانَ لِنَبِیٍّ اَنْ يَّكُوْنَ لَهٗٓ اَسْرٰى حَتّٰى يُثْخِنَ فِی الْاَرْضِ ۔ کسی نبی کے یہ شایانِ شان نہیں ہے کہ جب تک وہ زمین میں کفر کی طاقت کو اچھی طرح کچل نہ دے، اس کے لئے قیدی ہوں"۔ قیدی بنانا تو "اثخان" کے بعد ہو گا۔ اگر تم نے سانپ کو چھوڑ دیا تو وہ پھر ڈسنے کی کوشش کرے گا جب تک اُسے خوب کچل نہ دیا جائے ___ ان کو چھوڑ دینا تو گویا بالقوہ کفر کی آئندہ تقویت کا ذریعہ بنے گا۔
لہٰذا جب تک کفر کی طاقت کو اچھی طرح کچل نہ دیا جائے، پاش پاش نہ کر دیا جائے، قیدی بنانے کا کیا سوال ہے! ___ یہ گویا غزوہ بدر میں جو ستر قیدی بنائے گئے اس معاملے پر گرفت ہو رہی ہے۔ بین السطور اُن سے کہا جا رہا ہے کہ مسلمانو! ابھی تو تمہارا پہلا مقابلہ ہوا ہے۔ ابھی تو اللہ

© rasailojaraid.co

تعالےٰ کی خصوصی نصرت سے تم نے اُن کے صرف ستّر لوگ قتل کئے ہیں۔ جبکہ تمہارے ساتھیوں میں سے بارہ یا تیرہ نے جام شہادت نوش کیا ہے۔ ابھی کفّار کی طاقت محفوظ (INTACT) ہے۔ قریش کی قوت کو ابھی کوئی بہت بڑا نقصان نہیں پہنچا ہے۔ تم نے اثخان کا پورا حق ادا کئے بغیر قیدی کیسے بنائے! جبکہ اس سے پہلے یہ ہدایت آچکی تھی کہ: حَتّٰٓی اِذَآ اَثْخَنْتُمُوْھُمْ فَشُدُّوا الْوَثَاقَ۔ "جب تم خوب خون ریزی کر چکو اور ان کو اچھی طرح کچل چکو تو پھر ان کو باندھو۔ مضبوطی سے باندھنا"۔

مسئلہ کی نوعیت: اس مسئلہ کے بارے میں دو باتیں نوٹ کیجئے۔ پہلی یہ کہ اس مسئلہ میں یہ رائے اجتہادی نوعیت کی ہوگی کہ کفّار کو کچلنے (اثخان) کا حق ادا ہوا یا نہیں ہوا! ایسی صورت میں دو مختلف رائیں بن جانا عین قرین قیاس ہے۔ تو اکثریت کی رائے یہ بن گئی کہ اثخان ہو چکا۔ اور انہوں نے قیدی بنانے شروع کر دیئے ــ دوسری یہ کہ قیدی بنانے کے کام کا نہ حضور صلی اللہ علیہ وسلّم نے حکم دیا تھا، نہ یہ بات اس وقت آپؐ کے علم میں تھی۔ ظاہر بات ہے کہ اس وقت ایسے آلات تو موجود نہیں تھے کہ کمانڈر کو میدانِ جنگ کی صحیح صورت حال کی پل پل کی خبریں مل رہی ہوں اور وہ اس کے مطابق احکامات جاری کر رہا ہو۔ ویسے بھی عین حالتِ جنگ میں اس کا امکان ہوتا بھی نہیں۔ تو اس وقت صورتِ حال ایسی بن گئی کہ قریش مکہ نے جیسے ہی پیٹھ دکھا کر بھاگنا شروع کیا تو مسلمانوں نے پکڑنا شروع کر دیا ــ اب میری بات غور سے سنئے کہ اگر یہ کوئی اجتہادی خطا ہے تو یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کی نہیں ہے۔ یہ درحقیقت ان مسلمانوں کی ہے جنہوں نے کفّار کو گرفتار کرنا شروع کر دیا تھا۔ لیکن قرآن مجید کا یہ اسلوب ہے کہ بسا اوقات اصل میں تو مسلمانوں کو سرزنش کرنی مطلوب ہوتی ہے لیکن خطاب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلّم سے ہوتا ہے۔ یہاں بھی یہ اسلوب نظر آتا ہے۔ چونکہ دنیا کا یہ مسلّمہ اصول ہے کہ کسی فوج کا جو کمانڈر ہوگا تو فوج کی غلطی کمانڈر کے حصّہ میں آئے گی۔ اور اگر کسی فوج نے کتنی بڑی فتح حاصل کی ہو، ظاہر بات ہے کہ اس کا سب سے بڑا کریڈٹ بھی کمانڈر کو جائے گا۔ اس لئے سورۃ انفال کی اس آیت میں بظاہر عتاب کا رُخ جناب محمد رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف ہے۔ بظاہر کہہ رہا ہوں اس کو ملحوظ رکھنا ضروری ہے۔ میں نے آپ کو تجزیہ کر کے بتا دیا کہ اس اجتہادی مسئلہ میں کوئی بھی خطا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نہیں ہے ___ یہ تو مسئلہ ہی دوسرا ہے کہ جب وہ قیدی بن چکے تو اب ان قیدیوں کے ساتھ کیا معاملہ کیا جائے! اس سلسلہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مشورہ فرمایا۔ ایک رائے حضرت عمر رضی اللہ تعالےٰ عنہ کی سامنے آئی کہ ہم میں سے ہر شخص ان قیدیوں میں سے اپنے اپنے رشتہ داروں کی گردنیں مارے [1] حضرت عمرؓ تو دین کے معاملے میں ننگی تلوار تھے ہی اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اُنؓ کی اسی شان کو یہ فرما کر سب سے نمایاں فرمایا ہے کہ: اَشَدُّهُمْ فِي أَمْرِ اللهِ عُمَرُؓ۔ اُن کا مشورہ تو سورۂ محمد کی آیت زیر مطالعہ کی منشا کے قریب تھا ___ حضرت عمرؓ کا یہ خصوصی معاملہ سامنے آتا ہے کہ اللہ تعالےٰ نے اُنؓ کو ایسی صلاحیت و فراست عطا فرمائی تھی کہ کئی مرحلوں پر ایسا ہوا ہے کہ ان کا وجدانی تقاضا پہلے سامنے آیا اور اس کے مطابق قرآن حکیم میں حکم بعد میں آیا۔ شراب، قمار، ستر و حجاب کے معاملات اور منافقین کی نمازِ جنازہ نہ پڑھنا ان معاملات کے متعلق حضرت عمر کی رائے پہلے ظاہر ہوئی اور قرآن مجید میں بعد میں احکام آئے ہیں۔ چنانچہ بدر کے قیدیوں کے بارے میں بھی حضرت عمرؓ کا مشورہ یہ تھا کہ ان سب کو قتل کر دیا جائے اور جن کے رشتہ دار مسلمانوں میں موجود ہیں وہ اپنے رشتہ داروں کو اپنے ہاتھ سے قتل کریں لیکن کچھ لوگ ایسے ہوں گے جن کی رائے اُن کو غلام بنانے یا فدیہ لے کر رہا کرنے کی ہوگی تاکہ کچھ منفعت حاصل ہو۔ لیکن قرآن کا اسلوب یہ رہا ہے کہ کچھ لوگوں کی غلطی کو بھی عموم کے انداز میں بیان کرتا ہے۔ اس سے لوگوں کو دھوکا لاحق ہو جاتا ہے کہ شاید سب کا یہی حال تھا۔ معاذ اللہ! قرآن کی حکمت یہ ہے کہ غلطی کرنے والے عریاں (EXPOSE) نہ ہوں۔ بلکہ وہ اس عمومی اسلوب سے بات کو سمجھ کر اپنی اصلاح کر لیں ___ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ

---

[1] یہ بات اس واقعہ سے ملتی جلتی تھی جو حضرت موسیٰؑ کے زمانہ میں ہوا تھا کہ جن لوگوں نے سامری کی باتوں سے گمراہ ہو کر بچھڑے کی پرستش شروع کر دی تھی ان کو قتل کی سزا دی گئی تھی۔ اور اس میں خاص بات یہی تھی کہ ہر قبیلے نے اپنے قبیلے کے لوگوں کو اپنے ہاتھوں سے قتل کیا تھا (مرتب)

© rasailojaraid.com

کی رائے حضرت عمرؓ کی رائے کے مخالف تھی لیکن یہ بات نہیں تھی کہ معاذاللہ ان کے پیشِ نظر کوئی دنیوی منفعت ہو ـــــ ان حضرات گرامی کے مزاج میں جو رحمت، رأفت، شفقت اور مروّت تھی وہ پوری مخلوق کا احاطہ کرتی تھی۔ اسی لئے حضرت ابوبکرؓ کی شان میں حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم کا ارشاد ہے: اَرْحَمُ اُمَّتِیْ بِاُمَّتِیْ اَبُوْبَکْر۔ "میری امت میں، امت کے حق میں سب سے زیادہ رحیم و شفیق ابوبکر ہیں" ـــــ اور اللہ تعالیٰ نے تو جناب محمد رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کو پہلے ہی سرٹیفکیٹ دے رکھا تھا کہ: وَمَآ اَرْسَلْنٰکَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِیْنَ۔ یہاں تو رحمت اتنی وسیع اور کشادہ ہے کہ تمام جہانوں پر محیط ہے حتیٰ کہ کافروں اور منافقوں کو بھی اپنے سایۂ رحمت میں لینے کے لئے تیار ہے ـــــ لہٰذا حضورؐ نے جو معاملہ کیا وہ رحمت، رأفت، شفقت اور مروّت کی بنیاد پر کیا تھا۔ لیکن کچھ لوگوں کے پیشِ نظر یقیناً دنیوی منفعت اور مصلحت بھی ہوگی۔ جب ہی تو اس آیت میں گرفت آئی ہے۔ مَا کَانَ لِنَبِیٍّ اَنْ یَّکُوْنَ لَهٗ اَسْرٰی حَتّٰی یُثْخِنَ فِی الْاَرْضِ ط کسی نبی کے شایانِ شان نہیں ہے کہ اس کے لئے قیدی ہوں جب تک کہ زمین میں کفر کو کچل نہ جا چکا ہو۔ اس کے بعد الفاظ ہیں: تُرِیْدُوْنَ عَرَضَ الدُّنْیَا صلے وَاللّٰهُ یُرِیْدُ الْاٰخِرَةَ ط یہ خطاب ہے ان لوگوں کی طرف جن کے سامنے دنیا کی کوئی منفعت و مصلحت ہوگی۔ "تم دنیا کے طالب ہو جب کہ اللہ تمہارے لئے آخرت کا نفع چاہتا ہے۔" معدودے چند لوگ ہوں گے جن کی سوچ ہوگی۔ لہٰذا سے یہاں عمومی انداز میں نمایاں کر دیا گیا۔ آخر میں فرمایا کہ: وَاللّٰهُ عَزِیْزٌ حَکِیْمٌ ٥ اور اللہ بڑا زبردست اور دانا ہے۔"

قابلِ غور بات: جیسا کہ میں نے پہلے بھی عرض کیا تھا کہ سورۂ محمدؐ اور سورۂ انفال کی ان دونوں آیات میں لفظ "اثخان" آیا ہے۔ اس پر غور کرنے سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ گرفت اس بات پر نہیں ہوئی ہے کہ فدیہ لے کر کیوں چھوڑ دیا ـــــ اصل میں اس سلسلہ میں لوگوں کو مغالطہ ہوا ہے ـ بلکہ گرفت اس بات پر ہو رہی ہے کہ قیدی بنایا کیوں!! ـــــ درحقیقت ابھی وہ وقت آیا ہی نہیں تھا، ابھی کفر کی طاقت پوری طرح کچلی نہیں گئی تھی، ابھی ان کی کمر توڑی نہیں گئی تھی، ابھی سانپ کا سر کچلا نہیں گیا تھا، ابھی اثخان کا معاملہ مکمل نہیں ہوا تھا۔ لہٰذا ابھی قیدی بنانے کا مرحلہ نہیں آیا تھا۔ اس مرحلہ سے پہلے قیدی کیوں بنائے گئے۔ اصل میں یہ بات

تھی جس پر گرفت ہو رہی ہے کہ : مَا كَانَ لِنَبِيٍّ اَنْ يَّكُوْنَ لَهٗ اَسْرٰى حَتّٰى يُثْخِنَ فِي الْاَرْضِ ۔ اور جیسا کہ میں نے عرض کیا کہ اس معاملہ میں حضورؐ کا اصلاً کوئی تعلق تھا نہیں بلکہ صورتِ معاملہ یہ ہی کہ جیسے ہی قریش کے لشکر نے پیٹھ دکھائی بھاگنا شروع کیا، کمانڈر کے حکم کا انتظار کئے بغیر مسلمانوں نے ان کو قیدی بنانا شروع کر دیا۔

حضورؐ کے سامنے مسئلہ کی نوعیت: اب بالفعل قیدی بنائے جا چکے۔ وہ موجود ہیں۔ لہٰذا اس موقع پر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اصل مسئلہ یہ درپیش ہے کہ ان قیدیوں کا کیا کیا جائے!! یہ بالکل ایک علیحدہ بات ہے اور چونکہ اس ضمن میں غزوہ بدر سے پہلے سورۂ محمدؐ میں وحی نازل ہو چکی تھی کہ تمہیں اختیار ہے کہ تم بطور احسان یا فدیہ لے کر قیدیوں کو چھوڑ سکتے ہو۔ لہٰذا آپؐ نے فدیہ لے کر چھوڑنے کا فیصلہ فرمایا۔ اس فیصلہ میں وحی سے ہرگز تجاوز نہیں ہوا۔ اس معاملہ کو ہمارے یہاں کچھ لوگوں نے صحیح طور پر سمجھا نہیں ہے۔ اور اسے غلط رُخ دے دیا ہے۔

سورۂ محمدؐ کی آیت کی طرف مراجعت: بہرحال اب پھر سورۂ محمدؐ کی زیرِ مطالعہ آیت کی طرف رجوع کیجئے۔ سورۂ انفال کی آیات تو میں نے اس لئے بیان کیں کہ ان کے بغیر یہ آیت سمجھ میں نہیں آئے گی۔ اس وقت ہم آیت زیرِ مطالعہ کے اس مقام پر تھے : حَتّٰى اِذَا اَثْخَنْتُمُوْهُمْ فَشُدُّوا الْوَثَاقَ ـــ "جب تم ان کو اچھی طرح کچل دو، چور چور کر دو تو پھر ان کو باندھو اور باندھو بھی خوب مضبوط، خوب کس کر۔ بڑی قوت کے ساتھ"۔ میں عرض کر چکا ہوں کہ مفہوم کے اعتبار سے جملہ کی ترکیب کیا ہو گی! حَتّٰى اِذَا اَثْخَنْتُمُوْهُمْ فَشُدُّوا الْوَثَاقَ ۔ حَتّٰى تَضَعَ الْحَرْبُ اَوْزَارَهَا ـــ "جب تم ان کو اچھی طرح کچل دو تو پھر ان کو مضبوطی کے ساتھ باندھو۔ یہاں تک کہ جنگ اپنے ہتھیار ڈال دے"۔ مطلب یہ ہوا کہ اس وقت تک انہیں باندھے رکھنا ہے اور اسیر رکھنا ہے جب تک جنگ آخری مرحلے پر پہنچ کر ہتھیار نہ ڈال دے یعنی دشمن مکمل طور پر شکست قبول نہ کر لے۔ اس سے پہلے اگر قیدیوں کو چھوڑ دیا تو اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ دوبارہ کفار کے لشکر کے ساتھ آئیں گے اور جنگ کریں گے۔ چنانچہ وہی لوگ جنہیں چھوڑا گیا تھا ان میں سے اکثر اگلے سال احد کے معرکہ میں اپنے ساتھیوں کے ساتھ ضرور آئے ہوں گے۔ ممکن ہے

© rasailojaraid.com

ان میں سے چند لوگ اس عرصہ میں ایمان لے آئے ہوں اور کچھ فوت ہو گئے ہوں ۔ جو باقی رہے وہ اگر غزوہ احد میں مشرکین کے لشکر کے ساتھ آئے ہوں گے تو ظاہر ہے کہ وہ کفار کے لشکر کی تقویت کا باعث بنے ہوں گے ! بہر حال یہ محض اندازہ ہے ۔ کوئی محقق اس سلسلہ میں تحقیق کرے تو شاید یہ اعداد و شمار سامنے آسکیں !! جہاں تک میں نے سمجھا ہے وہ یہی ہے کہ یہاں اصل مراد یہی ہے کہ 'اثخان' سے قبل قیدی بنانا اور جنگ کے بالکلیہ خاتمہ یعنی باطل کی مکمل شکست سے قبل اسیرانِ جنگ کو بطور احسان یا فدیہ لے کر چھوڑنا غیر مناسب ہے ۔ یہی مفہوم ہے ان الفاظ مبارکہ کا : حَتّٰی تَضَعَ الْحَرْبُ اَوْزَارَهَا ۔ واللہ اَعْلَم !

حرب کا مفہوم : آگے بڑھنے سے پہلے 'لفظ حرب' کے معنی و مفہوم کو بھی سمجھ لینا چاہئے ۔ حرب کے معنی ایک لڑائی یا جھڑپ نہیں ہیں ۔ انگریزی کے دو الفاظ سے بات آسانی سے سمجھ میں آجائے گی ۔ ایک ہے : 'BATTLE' ۔ اور دوسرا ہے : 'WAR' — ان کے معانی و مفاہیم میں نمایاں فرق ہے ۔ 'WAR' اس جنگ کو کہتے ہیں جو کافی عرصہ تک مسلسل چلتی رہتی ہے ۔ اس وقت ہمارے سامنے ایران و عراق کی جنگ کی مثال موجود ہے ۔ جو چھ سال سے برابر چلی جا رہی ہے ۔ یہ 'WAR' ہے ۔ البتہ کبھی درمیان میں مختصر عرصہ کے لئے دونوں طرف سے خاموشی ہو جاتی ہے اور پھر فریقین میں بڑی جنگ ہوتی ہے ۔ اس دوران جو اکا دکا جھڑپوں کے واقعات ہیں تو انہیں جھڑپیں (BATTLES) کہتے ہیں ۔ اسی طرح میدانِ بدر سے جس جنگ کا آغاز ہوا تھا وہ غزوۂ بدر کے ساتھ ہی ختم نہیں ہو گئی تھی ۔ بدر کے میدان میں جو معرکہ ہوا اسے 'BATTLE OF BADAR' کہا جا سکتا ہے جس میں مسلمانوں کو فتح ہو گئی ۔ جنگ (WAR) تو ابھی جاری تھی ۔ اسی کا شاخسانہ ہے غزوۂ احد (BATTLE OF OHAD) اور پھر غزوۂ خندق ، لہٰذا یہاں اس لفظ حرب کو پہچانئے ! حرب سے مراد معرکہ یا جھڑپ نہیں ہے بلکہ جنگ ہے ۔

بہر حال قریش کے ساتھ جو جنگ تھی وہ ابھی ختم نہیں ہوئی تھی — ابھی 'حَتّٰی تَضَعَ الْحَرْبُ اَوْزَارَهَا' کا وقت نہیں آیا تھا ۔ گویا اس مرحلہ میں قیدیوں کو فدیہ لے کر بطور احسان چھوڑنا قبل از وقت تھا ۔

(باقی صفحہ ۴۳ پر)

com